حضرت شاہ ولی اللہ کے عہد کے سیاسی حالات

ابو سلمان شاہجہانپوری

(۲)

جاٹ اور ان کی تباہ کاریاں

اس دور کی ایک فتنہ انگیز قوت جاٹوں کی تھی۔ حکومت پر جو ادبار آیا تھا اور جس کا اندھیرا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جاٹوں نے بھی اس ادبار کو بڑھانے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھانے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ سکھوں اور مرہٹوں کے ظلم و ستم سے انسانیت نالاں تھی۔ لیکن جاٹوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت گری مرہٹوں کی لوٹ کھسوٹ اور جبر و تشدد کی یاد کو بھلانے لگی۔ حکومت اپنی پوری کوشش کے باوجود ان کی سرکوبی کرنے میں ناکام رہی۔ بالآخر ۱۷۲۲ء ۱۱۳۵ھ میں دکن سے آصف جاہ نظام الملک کو قلمدان وزارت اس کے سپرد کیا گیا نظام الملک نے حالات کو درست کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن خود غرض امراء کی مخالفت کے سامنے نظام الملک کی ایک نہ چلی اور دارالخلافہ میں دو سال کے بے نتیجہ قیام کے بعد ۱۷۲۲ء کے آخری مہینے میں دکن واپس چلا گیا۔

جاٹوں کی عملداری میں مسلمان خستہ و تباہ حال ہو گئے تھے۔ ان کی تمام دولت جاٹوں نے کھینچ لی تھی۔ جہاں موقع مل جائے مساجد تباہ کر دیتے، اذان دینے کی اجازت نہ تھی۔

احمد شاہ ابدالی کے نام ایک خط میں حضرت شاہ صاحبؒ ان تباہیوں کی جانب اشارہ کرتے

ہوئے فرماتے ہیں۔ جب جاٹوں نے بیانہ کے شہر پر جہاں سات سو سال سے علماء اور صوفیاء رہ رہے تھے، قبضہ کیا تو انہوں نے تمام مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا۔

یہ زمانہ وہ تھا جب مرہٹوں کا خطرہ کافی تشویش ناک ہو گیا تھا۔ انہوں نے گجرات کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اور بندھیل کھنڈ کو بانٹ لیا تھا۔ اور میواڑ ان کے قدموں میں تھا شاہی افواج ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں ناکام رہیں اور جلد ہی گوالیار سے لے کر اجمیر تک کے علاقے عملاً ان کے تسلط میں آ گئے۔ ۱۱۵۰ھ میں باجی راؤ پیشوا کو اتنی جرأت ہو گئی کہ وہ دہلی پہنچا۔ اور اس نے دہلی کے نواحی علاقوں کو لوٹا۔

جاٹوں کی ستم رانیاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔ سکھوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ایرانیوں کی سازشوں نے تورانیوں کی زندگی عذاب میں ڈال رکھی تھی۔ ان مصائب سے چھٹکارے کے لئے کوئی کوشش بار آور ہوتی نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں محمد شاہ نے مجبور ہو کر نظام الملک کو دکن سے دوبارہ واپس بلانے کا فیصلہ کیا یہ ٹھیک ۱۱۵۱ھ کا واقعہ ہے

نادر شاہ کا حملہ اور اس کے نتائج

نظام الملک دہلی پہنچا تو نادر شاہ کے حملے کے آثار صاف ظاہر تھے۔ اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نادر شاہ کو بعض تورانی امراء نے اصلاح حال کی امید پر بلایا تھا۔ مولوی محمد بشیر مرحوم نے تو نظام الملک آصف جاہ کو نادر کا داعی قرار دیا ہے مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں۔

"سچ یہ ہے۔ اور واقعات اس کے مؤید ہیں کہ ایرانیوں کی قوت کو سادات کی تباہی سے جو کمزوری ہوتی تھی اس کی تلافی کے لئے غریب تورانیوں پر نادر شاہ کو اکسا کر بلایا گیا تھا بہرحال نادر شاہ کو کسی کی طرف سے بلایا گیا ہو اور اگرچہ اس دعوت دینے میں کتنے ہی مخلصانہ جذبات کارفرما ہوں۔ لیکن اس کے عذاب الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا گیا نادر شاہ آیا اور خون آشامی اور لوٹ کھسوٹ نے سکھوں مرہٹوں اور جاٹوں کی قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی یاد لوگوں کے دلوں سے بھلا دی اور مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ ذلت و نکبت کے تیر ہمیشہ اغیار ہی کی طرف سے نہیں آتے بلکہ کبھی اپنوں کی تلوار بھی نامرادی و خواری کی تکمیل کا

فرض انجام دیتی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ مسلمانان ہند نے نادرشاہ کے ہاتھوں جو شکست کھائی تھی۔ اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ نادرگردی کی دہشت اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ دہلی کے شرفا "جوہر" کا ارادہ کر چکے تھے۔ اس موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ نے جب مسلمانوں کو واقعہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام کے مصائب یاد دلائے اور بتایا کہ وہاں بھی تو مال وجان کے ساتھ اہل بیت کی عزت وناموس خطرہ کی آخری شکل میں گھر چکا تھا۔ لیکن حضرت امام حسین نے جوہر کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ بلکہ صبر ورضا کی راہ اختیار کی تو لوگ اس ارادہ سے باز آئے۔

اس جوہر کی رسم سے شاید عام لوگ واقف نہ ہوں۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ ہندوستان کی ایک قدیم رسم تھی جب دشمن کا غلبہ اور تسلط اس حد کو پہنچ جاتا تھا کہ نجات وخلاصی کی راہ مسدود ہو جاتی تھی۔ تو پاس ناموس وعصمت کے لئے آگ کا الاؤ جوڑ کر عورتیں مرد بچے سب اس میں کود جاتے تھے۔

یوسف حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ایک عرصہ تک دہلی کی گلیاں لاشوں سے پٹی رہیں۔ شہر راکھ کا ڈھیر بن گیا اور وہ یوں دکھائی دیتا تھا۔ جیسے کوئی میدان ہو جہاں آگ لگ چکی ہو شہر کے خوبصورت بازار اور اس کی عمارتیں یوں تباہ وبرباد ہو گئی تھیں کہ برسوں کی محنت ہی سے انھیں ان کی پہلی شاندار حالت پر بحال کیا جا سکتا تھا۔ جب شہر میں امن قائم ہو گیا تو حملہ آور فوج نے لوگوں سے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ کوئی گھر بھی اس سے محفوظ نہ رہا شہر کے ہر محلے کو روپیہ دینا پڑا۔ یہ روپیہ بہت ہی بے رحمانہ طریقے سے جمع کیا۔ لوگوں کو سخت اذیتیں دی گئیں۔ بہت لوگوں نے تو خودکشی کر لی۔ شمالی ہندوستان سے تمام دولت نچوڑ لی گئی۔ صنعت اور تجارت مکمل طور پر اس طرح تباہ ہوئیں کہ ایک عرصہ دراز تک ان کی پہلی حالت بحال نہ ہو سکی۔

نادرشاہ نے دہلی کو کس طرح لوٹا اس کا اندازہ ان بیانات سے لگایا جا سکتا ہے۔

فریزر لکھتا ہے کہ مال غنیمت کا اندازہ ستر کروڑ تھا۔

آنند رام مخلص کا بیان ہے کہ صرف جواہرات کی قیمت پچاس کروڑ سے کم نہ تھی۔ اسی مال غنیمت میں تخت طاؤس اور کوہ نور ہیرا بھی تھا۔ اور تین سو ہاتھی دس ہزار گھوڑے اور اتنے

ہی او نٹ تھے۔

مولانا محمد میاں صاحب نے علمائے ہند کا شاندار ماضی میں لکھا ہے۔

بائیس کروڑ روپے نقد خزانہ شاہی سے اور تقریباً نوے کروڑ کے جواہرات اور تخت طاؤس بھی قلعہ سے لوٹے گئے۔

ذکا اللہ صاحب نے قتل عام میں مرنے والوں کا اندازہ آٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ تک لگایا ہے۔

ساری خواری و ذلت اور بربادی و تباہی کے باوجود سمجھے ہوئے بادشاہ محمد شاہ نے نادر شاہ کی باضابطہ ہفتوں مہمانی کی۔ دربار کے بڑے بڑے امراء نادر شاہ کی خدمت پر مقرر ہوئے۔ عمدۃ الملک جیسا امیر کبیر بیچارہ نادر کو قہوہ پلانے پر مامور ہوا تھا۔ اور یہی حال دوسرے امیروں کا ہوا تھا۔ بہرحال محمد شاہ ضیافت نادر شاہ بکمال تکلف قرار داد۔ اور بات اس پر ختم نہ ہوئی بلکہ اس کے ساتھ نادر شاہ نے شاہ جہاں بادشاہ کی پوتیوں میں سے ایک لڑکی نادر کے چھوٹے لڑکے نصر اللہ مرزا کے نکاح میں دے دی۔ جو اس کے ساتھ ایران سے ہندوستان آیا تھا۔

نادر شاہ آیا، اس نے لاکھوں انسانوں کو قتل کیا اور کروڑہا روپے کے زر و جواہر اور مال اسباب سمیٹ کر چلا گیا لیکن اس کے نتیجے میں اسلامی ہند کے ہاتھ جو کچھ آیا وہ یہ تھا۔

"نادر شاہ کے قتل و غارت نے دہلی کو اقتصادی لحاظ سے تباہ کر دیا تھا۔ صوبے مرکزی حکومت سے آزاد ہو چلے تھے۔ مہابت خاں بنگال و بہار میں مختار بن بیٹھا تھا اور نظام الملک دکن میں اودھ کے صوبے میں صفدر جنگ کی حکومت تھی۔ اور فرخ آباد میں بنگش رئیس اور روہیل کھنڈ میں روہیلہ سردار آزاد ریاستوں کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ مرکزی حکومت کی یہی کمزوری تھی جو آخرکار سبب بنی سرکش سکھوں، جاٹوں، اور مرہٹوں اور سب سے بڑھ کر چالاک اور کسی اصول کی پرواہ کرنے والے انگریزوں کی طاقت کے وجود میں آنے اور بڑھنے کا۔"

حضرت شاہ ولی اللہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

نادر شاہ نے مسلمانوں کی طاقت کو تو ختم کر دیا لیکن اس نے مرہٹوں اور جاٹوں کی طاقت

کو قائم رہنے دیا۔ نادرشاہ کے بعد سلطان دنواح کا شیرازہ بکھر گیا اور مرکزی حکومت بچوں کا کھیل بن کر رہ گئی۔ نادرشاہ کی واپسی کے بعد ایرانی اور تورانی پارٹیوں کی آویزش نے بڑی خطرناک صورت اختیار کرلی۔

بادشاہ کے تورانی پارٹی سے شکوک بتدریج بڑھتے گئے اور اس کی وجہ سے ایرانی پارٹی کی سرپرستی شروع کردی۔ نظام الملک دل برداشتہ ہوکر ۱۱۵۲ھ میں واپس دکن چلا گیا

روہیلوں کی آمد اور مسلم ہند کی سیاست میں ان کا اثر و نفوذ

اس دور کی مسلم سیاست میں ایرانی اور تورانی امراء کی کش مکش تاریخ کا ایک معلوم و معروف باب رہا ہے۔ نادرشاہ کے حملے کے بعد اس کش مکش میں ایک اور قومی عنصر کا اضافہ ہوگیا۔ یہ قومی عنصر روہیلوں کا تھا۔ نادرشاہ کابل و قندھار کے راستہ پاکستان ہند میں داخل ہوا تھا۔ راستہ میں ان علاقوں کے باشندوں نے اس کی مزاحمت کی لیکن نادر کے مقابلہ میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ نادر نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کردیا۔ اور انہوں نے اپنے علاقوں سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ ڈھونڈی۔

احمدشاہ ابدالی کو شروع سے روہیلوں کی امداد و اعانت حاصل رہی تھی۔ ہند پاکستان پر اس کے تمام حملوں میں روہیلے اس کے ساتھ تھے اس طرح نادرشاہ کے ظلم و ستم اور احمدشاہ ابدالی کی اعانت اور امداد نے انہیں مسلم ہند کے سیاسی افق پر نمایاں کیا۔

مغلیہ حکومت دن بدن کمزور سے کمزور ہوتی جارہی تھی ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ امراء سازشوں میں مصروف تھے۔ ان تمام حالات نے روہیلوں کو اپنا اثر و نفوذ بڑھانے کے کافی مواقع فراہم کردیئے اور انہوں نے اس موقع سے فائدہ بھی اٹھایا۔ ملک کا ایک بڑا حصہ ان کے تسلط و قبضہ میں آچکا تھا۔ اور جب ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ء) میں عالمگیر ثانی کے بیٹے علی گوہر کو شاہ عالم کے لقب سے احمد شاہ ابدالی نے تخت پر بٹھایا اور نجیب الدولہ روہیلہ کو امیرالامراء مقرر کیا تو اس سے صاف یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس وقت تک روہیلے اتنی بڑی سیاسی قوت بن چکے تھے کہ ان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔

ملک میں تین عنصر پیدا ہو گئے تھے۔ یعنی ایرانی۔ تورانی اور روہیلے اسی لئے احمد شاہ ابدالی نے بادشاہی تو تورانی عنصر میں رکھی کہ وہی اب تک اس کے خاندان کے طور پر مستحق تھے۔ وزارت ایرانیوں کو یا یوں کہئے کہ شیعوں کو دی گئی اور امیر الامرائی کا عہدہ ایک روہیلہ نجیب الدولہ کے سپرد ہوا۔ روہیلوں کا حکومت دہلی کے لیے جلیل منصب پر اقتدار حاصل ہونے کا لازمی نتیجہ تھا کہ روہیلے جواب تک اپنا مادی و ملجا زیادہ تر روہیل کھنڈ کو بنائے ہوئے تھے، اب دہلی میں بھی اقتدار و قوت کے مظہر بن کر اپنے وجود کو محسوس کرانے لگے۔

علامہ محسن البہاری الترہتی "الیانع" میں لکھتے ہیں۔

" جب احمد شاہ ابدالی جو درانی کے لقب سے مشہور ہیں اور مقامی کوہستانوں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہیں، ان کا تسلط دہلی پر ہو گیا اور دہلی کی گلیوں میں بکثرت ان کی قوم کے لوگ بھر گئے اور یہ لوگ قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی تعداد میں زیادہ تھے"

اسی زمانے کا ذکر تھا کہ بریلی میں حافظ الملک رحمت خاں۔ نجیب آباد میں نجیب الدولہ اور انکے سوا اور بھی دوسرے دوسرے مقامات میں روہیلوں کی چھوٹی بڑی ریاستیں قائم ہو گئیں حتیٰ کہ اس وقت رامپور۔ ٹونک بھوپال ان ہی روہیلوں کی یادگاریں نیم آزاد ریاستوں کی صورت میں موجود ہیں"

جن حضرات کی زندگیاں انیسویں صدی کے آخر میں اور خاص طور پر بیسویں صدی میں گذری ہیں وہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اٹھارہویں صدی میں ان مسلم ریاستوں کے قیام اور امرا کے افتراق و تشتت نے مسلمانوں کی اجتماعی و سیاسی زندگی کو اور ان کی طاقت و قوت اور رعب و دبدبہ کو کس قدر نقصان پہنچایا تھا۔

مرہٹوں کے دہلی پر حملے، سکھوں کی تاخت و تاراج جاٹوں کی لوٹ مار اور نادرگردی کے پورے دور میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلی میں موجود رہے اور ان تمام واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ وقت انہوں نے درس و تدریس تصنیف و تالیف اور غور و فکر میں گذارا تھا۔ پھر وہ اصلاح حال کی طرف سے بھی ہرگز غافل نہیں تھے۔ حالات کو درست کرنے کی جو کوششیں کی گئی تھیں ان میں شاہ صاحب کا بھی حصہ تھا۔ اور بہت بڑا حصہ تھا لیکن اس وقت یہ مسئلہ

ہمارے پیشِ نظر نہیں ہے بلکہ صرف آپ کے دور کے سیاسی حالات کا ایک مختصر جائزہ لینا چاہتے ہیں

احمد شاہ ابدالی اور اس کے حملے

ابتدا میں ابدالی یا درانی قبائل نے اپنے ہم سایہ غلزئیوں کی مخالفت میں نادرشاہ کی رفاقت کی اور صلے میں ان اضلاع کی عمل داری حاصل کی۔ ۱۱۶۰ھ میں نادرشاہ اندرونی سازشوں کے بھینٹ چڑھا تو ایران کے جنوب مشرقی صوبے ابدالیوں کے قبضے میں آگئے' ان کی سب سے معزز برادری سدوزئی اور اس کا سرگروہ احمد شاہ تھا۔ اس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی تو شمال میں بلخ اور دوسری طرف کشمیر و سندھ تک مقامی حکام نے احمد شاہ ابدالی کا خطبہ پڑھوایا۔ یہ دولت خداداد اور عظیم قوت ہاتھ آئی تو ابدالیوں نے پنجاب پر بس نہیں کیا بلکہ دہلی تک نادرشاہی اقتدار کی تجدید کرنی چاہی۔ مغلیہ حکومت کی کمزوری امراء کے اختلافات رقابتوں اور اندرونی سازشوں نے اس کی ہمت بڑھائی۔ ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں اس نے مسلم ہند پر پہلا حملہ کیا۔ مغلیہ تخت کا مالک اس وقت محمد شاہ تھا اور اگرچہ وہ اس وقت سخت بیمار اور مرض الموت میں مبتلا تھا لیکن اس نے ولی عہد احمد شاہ کو ایک معقول فوج اور توپ کے ساتھ اپنے وزیر قمر الدین کی قیادت میں مقابلے کے لئے بھیجا سرہند کے قریب مقابلہ ہوا اور ابدالی کے آتشیں اسلحہ کے ذخیرہ میں اچانک آگ لگ جانے سے اسے ناکام و نامراد لوٹنا پڑا۔ اکتوبر سنہ ۱۷۵۶ء میں احمد شاہ ابدالی نے پھر دلی کا رخ کیا۔ دلی کو ابدالی کی فوجوں نے دل کھول کر لوٹا۔ شرفاء کی عورتوں نے خودکشی کرلی۔ متھرا کو بری طرح لوٹا گیا۔ اور قتل عام ہوا۔ جمنا کا پانی متعفن ہوگیا۔

جب ابدالی کی فوجوں میں میضہ پھوٹ پڑا تو مجبوراً اس نے واپسی کی ٹھہرائی۔ چلتے چلتے اس نے حضرت بیگم دختر محمد شاہ سے شادی کی اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کی عالمگیر ثانی کی لڑکی سے۔ عالمگیر ثانی کی سفارش پر نجیب الدولہ کو امیر الامراء مقرر کیا۔ اور واپسی کے وقت دوبارہ دلی کو لوٹ کر چلتا بنا۔ لوٹ کے مال کا اندازہ نو کروڑ سے بارہ کروڑ تک کیا گیا ہے۔ سید ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں۔

دہلی کی دولت کو بھوکے افغانی نہ چھوڑ سکتے تھے کامل اطمینان سے دو مہینے تک شہر

کو لوٹا خانہ تلاشی بلکہ جامہ تلاشی میں بھی کوئی رد رعایت جائز نہ رکھی۔ بڑے بڑے امیروں کو محتاج فقیر بنا دیا۔ عائد شہر کی وہ خواریاں دل آزاریاں ہوئیں کہ بعض شریف خودکشی کر کے مر گئے، بہت سے منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ اور وطن عزیز چھوڑ کر جدھر سینگ سمایا نکل گئے۔ یہ بربادی اور خانہ خرابی وسط ۱۱۷۰ھ مطابق ۱۷۵۷ء کے واقعات ہیں۔

لیکن مسلم امراء کی اس پر آنکھیں نہ کھلیں وہ ایک دوسرے کو پچھاڑ کھانے کی کوششوں میں لگے تھے مغلیہ حکومت کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ مرہٹوں اور سکھوں کی لوٹ مار حد کو پہنچ چکی تھی۔ حالات کے بہتر ہونے اور سدھرنے کی کوئی امید نہ تھی ملک میں کوئی ایسی طاقت اور مرکزی شخصیت نہ تھی جو مسلمانوں کو جمع کرتی امراء کے افتراق و تشتت کو ختم کرتی۔ اور مرہٹہ گردی کا مقابلہ کرتی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر نگاہیں احمد شاہ ابدالی پر پڑتی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح اسے مسلمانوں کی مدد کے لئے دہلی آنے کی دعوت دی گئی۔

طباطبائی کا بیان ہے کہ

نجیب الدولہ اور ہندوستان کے مختلف راجہ اڑے مرہٹوں اور عماد الملک کے ہاتھوں جاں بلب ہو کر دیکھنے لگے کہ ان کی حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل مرہٹوں کے قبضے میں جا رہی ہے۔ اپنی آنکھوں سے یہ تماشا ان کو نظر آ رہا تھا تب انہوں نے احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں عرائض لکھ کر بھیجے اور اس بات کے خواہش مند ہوئے کہ شاہ ابدالی خود ہندوستان پہنچیں۔ مرہٹوں نے جب شجاع الدولہ کو ابدالی کی رفاقت سے روکنے کے لئے اپنے سفراء بھیجے تو اس کے جواب میں بھی شجاع الدولہ نے یہی کہا تھا جس کا ذکر پہلے بھی آیا ہے۔ یعنی لوگوں کا مرہٹوں کے ہاتھوں ناک میں دم آ گیا ہے۔ اپنی عزت آبرو اور دنیا کی آسائش و امن کے لئے ابدالی کو خوشامد درآمد کر کے ولایت سے بلایا گیا ہے۔ اور ابدالی سے جو نقصانات پہنچیں گے انہیں مرہٹوں کی معیت سے آسان خیال کر کے ایسا کیا گیا۔

سید ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں۔

کئی حکومتوں، ریاستوں کی درخواستیں اور صدہا مظلوموں کی عرضیاں احمد شاہ ابدالی کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ پنجاب سے افغانیوں کی پسپائی نے اس کے غیظ و غضب کا پارہ اور چڑھا دیا۔

تیسری مرتبہ پھر غزنوی سنت یاد کی۔ تازہ دم چیدہ لشکر لے کر پاکستان میں داخل ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کے نام شاہ ولی اللہ کے ایک خط سے جس کا حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلامی ہند کے ناگفتہ بہ حالات اور مرہٹوں اور سکھوں کے ظلم و ستم سے اسے آگاہ کیا مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں۔

نواب نجیب الدولہ شاہ ولی اللہ کے خاص عقیدتمندوں میں سے تھے۔ اور شاہ صاحب ہی کے مشورہ پر انہوں نے امراء کے رفقاء نے احمد شاہ ابدالی کو بلایا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کی آمد میں مرہٹوں کو صاف اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے سازشوں کا جال پھیلایا۔ بھاؤ نے صلح کر لینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے شجاع الدولہ کو ایک سفید کاغذ بھیجا اور کہلوایا اس پر جو شرطیں چاہو لکھ دو۔ میں انہیں منظور کرنے کو تیار ہوں۔ احمد شاہ ابدالی کا وزیر اس پیش کش کو قبول کرنے کو تیار ہو گیا۔ اگر بھاؤ رقم کی مقدار اور بڑھا دے۔

جب نجیب الدولہ نے یہ سنا تو اس نے بہت سخت مخالفت کی اور کہا میں نے تو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے کمر باندھ رکھی ہے۔

بہر حال جنوری ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے مقام پر یہ معرکہ پیش آیا۔ اور معلوم ہے کہ اس معرکہ میں فتح نے احمد شاہ ابدالی کے قدم چومے۔ مشہور ہے کہ اس لڑائی میں کوئی دو لاکھ مرہٹہ سپاہیوں اور ساتھیوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

پانی پت کا خون ریز معرکہ پہلی دو لڑائیوں سے جو تاریخ میں اسی کے نام سے منسوب ہیں نقصان جان میں زیادہ خون ریز اور نتائج کے اعتبار سے زیادہ انقلاب انگیز ثابت ہوا۔ اکثر انگریز مورخ اسے اپنی قوم کے آئندہ باب کشورستانی کا مقدر قرار دیتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جنگ نے مرہٹوں کی قوت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ لیکن اسی جنگ میں تاریخ کا یہ فیصلہ بھی ہو جاتا ہے کہ برصغیر کی آئندہ حکمرانی مسلمانوں کے قبضہ میں باقی نہ رہے گی بلکہ ایک تیسری طاقت کو جو بتدریج اپنا اثر و نفوذ بڑھا رہی ہے آگے بڑھنے کا موقع ملے گا اور آئندہ برصغیر ہند کے مالک انگریز ہوں گے۔

ابدالی کا یہ مشہور حملہ جس میں مرہٹے تباہ ہوئے۔ مرہٹوں کے علاوہ عماد الملک غازی الدین

کے خلاف بھی تھا۔ جس کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ گئی تھیں اور ان سے نہ مغل بادشاہ محفوظ رہے تھے نہ امراء اور وزراء۔ جب پانی پت میں یہ معرکہ کارزار گرم تھا۔ مولانا ذکا اللہ خان کے الفاظ میں وہ (عماد الملک) جان بچاکر سورج مل جاٹ کے ہاں پناہ گزین ہوگیا۔ احمد شاہ ابدالی نے عالمگیر ثانی کے بیٹے علی گوہر (عالی گوہر) ملقب بہ شاہ عالم ثانی کو تخت پر بٹھایا اور نجیب الدولہ امیر الامراء اور نائب سلطنت بنائے گئے احمد شاہ ابدالی کی یہ آمد ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ء) کا واقعہ ہے۔

اس سرسری جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم امراء کو ذاتی رنجشوں۔ رقابتوں حصول اقتدار کے لئے ریشہ دوانیوں اور لشکر کشیوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی طاقت کو کس طرح پارہ پارہ کردیا تھا وہ اس حد تک کمزور ہوگئے تھے کہ خود اپنی زندگی ان کے لئے وبال تھی کسی دشمن کی مدافعت بھلا وہ کیا کرسکتے تھے۔

مسلمانان ہند کی یہ تمام بربادیاں اور خونریزیاں ایک ایک کرکے حضرت شاہ ولی اللہ کی آنکھوں کے سامنے سے گذر رہی تھیں۔ ہندوستان میں پنج صد سالہ حکومت اسلامی کا نقش قدم مٹایا جارہا تھا۔ اور فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ اور عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی اگرچہ خود کچھ نہ تھے لیکن تاج و تخت مغلیہ کے وارث اور ہندوستان کے فرمانروا تھے اور ان کا مٹنا گویا اسلامی عظمت و سطوت کا مٹنا تھا، ان کی عزت کا لٹنا گویا اکبر و شاہجہان اور عالمگیر اورنگ زیب کی عزت کا لٹنا تھا۔

نادرشاہ کے ہاتھوں جو عالمگیر مصیبت اشراف و اعیان دہلی پر نازل ہوئی اور شاہجہان آباد کی جن سڑکوں پر کبھی صاحبقران اعظم کی سواری کے لئے جمنا کے پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے خون کے فوارے بہے حضرت شاہ ولی اللہ نے دہلی میں رہ کر اس کے تمام مناظر خونیں اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ان چیخوں کو اپنے کانوں سے سنا جو عرصہ تک دارالخلافہ کی گلیوں اور کوچوں سے بلند ہوتی رہی تھیں۔ دہلی پر مرہٹوں، نادرشاہ اور احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں جو بربادیاں آئیں ان کے لئے اگر تمام حیوانات ارضی کی آنکھیں اشکبار ہوجائیں۔ اور جن کے غم میں اگر آسمان سے پانی کی جگہ خون برستا۔ جب بھی ان کے ماتم کا حق ادا نہ ہوتا۔

حضرت شاہ صاحب دہلی میں زندہ تھے اور یہ سب دیکھ رہے تھے۔ یہ حوادث ہیں جن پر غیروں کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آتے ہیں ممکن نہ تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ سب کچھ دیکھا ہو اور ان کے دل و جگر کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو گئے ہوں۔ جس وقت یہ تمام حالات پیش آ رہے تھے حضرت شاہ ولی اللہ دہلی میں موجود تھے اور نہ صرف اپنی آنکھوں سے حالات کو دیکھ رہے تھے بلکہ نجیب الدولہ کے ذریعہ حالات کے سدھارنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے ساحل پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کی کشتی کو بچانے اور ساحل تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن مسلمانوں کی کشتی جس گرداب میں پھنس چکی تھی اس کے لئے نہ شاہ ولی اللہ کی کوششیں کام آ سکتی تھیں نہ نجیب الدولہ کی معرکہ آرائیاں اور احمد شاہ ابدالی کی ترک تازیاں ہی کافی ہو سکتی تھیں یہ ہے شاہ ولی اللہ کے دور حیات کے سیاسی حالات کا ایک مختصر جائزہ۔ یہی حالات تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء کو دہلی میں انتقال ہو جاتا ہے۔

لمحات

شاہ ولی اللہ کی حکمت الٰہی کی یہ بنیادی کتاب ہے اس میں وجود سے کائنات کے ظہور تدلی اور تجلیات پر بحث ہے۔ یہ کتاب عرصے سے ناپید تھی۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے ایک قلمی نسخے کی تصحیح اور تشریحی حواشی اور مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

قیمت۔ دو روپے